ایک عجب مردِ درویش رح

چودھری سہیل گورداسپوری

کسی بڑے انسان کی سوانح حیات لکھنے کی غرض وغایت ایک انگریز شاعر نے کچھ یوں بیان کی ہے۔

''بزرگوں کی سوانح حیات اور زندگیوں کا مطالعہ ہمیں اس امر پر آمادہ کرتا ہے کہ ہم بھی ان کی طرح اعلیٰ اخلاقی اقدار اپنا کر جہد مسلسل سے رفعتیں وعظمتیں حاصل کر سکتے ہیں اور اس دنیا سے گزرتے ہوئے اپنے پیچھے وقت کی ریت پر ایسے نقش چھوڑ سکتے ہیں۔ جن کو دیکھ کر وہ تنہا انسان جو بحرِ حیات کی تلاطم خیز موجوں کے ساتھ مقابلہ کرتا ہوا تھکن سے چور کسی شکستہ تختے پر طوفان اور امواج کے تھپیڑوں کے رحم وکرم پر ہو۔ پھر سے ایک نئی قوت وتوانائی حاصل کرے۔''

یہ غرض ہمیشہ سے سوانحات کے لکھنے والوں کے مدِ نظر رہی ہے۔ اور ویسے بھی آج کل سیاسی ہنگامہ آرائی، باہمی افراط وتفریط واختلافات کا دور دورہ ہے۔ زمانے کی اقدار بدل چکی ہیں خیالات اور رجحانات میں ایک غیر معمولی انقلاب برپا ہے۔ بے اعتدالیوں اور برق رفتاری کے ساتھ انجام سے بے خبر دنیا کسی نامعلوم اور یقینی غلط سمت کی طرف بڑھتی چلی جارہی ہے۔ اس افراتفری میں کسی کو اتنی فرصت نہیں کہ چند لمحوں کے لئے رک کر دیکھے اور سمت کا صحیح تعین ہی کرلے موجودہ نسل کسی نقش کہن کو دیکھنے کو تیار نہیں ہے۔ ایسے میں ماضی کی یہ فرسودہ بیانی بظاہر بے وقت کی راگنی ہے۔ جب تک قوموں میں اہل قلم موجود ہوتے ہیں وہ اپنی مذہبی و قومی تاریخ، اکابر کے شاندار کارنامے اور تابناک ماضی کو اپنا قیمتی سرمایہ سمجھتے ہوئے اسے آئندہ نسلوں تک منتقل کرتے رہتے ہیں اور ہر اس پرانی یاد اور پرانے واقعہ کو جس میں نوجوانوں کے لئے کوئی نہ کوئی اچھا سبق ہو کو کسی نہ کسی دل چسپ طریقے، بہانے سے منصہ شہود پر لے آتے ہیں۔ ایک ایسے دور میں جب نوجوان نسل کا رشتہ اپنے اسلاف سے توڑ کر انہیں بے دینی اور بے راہ روی کا درس دیا جارہا ہو ایسے میں اپنے اسلاف کی زریں تاریخ، شاندار کارنامے، روشن

خدمات اور قابل فخر روایات سے موجودہ نسل کو آگاہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ نئی نسل اپنی مذہبی اور ملی ذمہ داریوں سے بااحسن عہدہ برا ہو سکے۔ اپنے ان اکابر کی خدمات کو اجاگر کرنا اس لئے بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ لوگ روشنی کے وہ مینار ہوتے ہیں جن کے نقشِ پا کو نشانِ راہ بنا کر ہم منزل مقصود پر باآسانی پہنچ سکتے ہیں۔ ہم نے بھی ایک تو اسی غرض سے، دوسرا چند دوستوں و ساتھیوں کے مجبور کرنے پر قلم اٹھانے کی جسارت کی ہے۔ ورنہ حضرت بھٹی صاحبؒ جیسے بڑے انسان پر کچھ لکھنا ہمارے جیسے اطفال مکتب پر آسان نہیں ہوتا اس لئے کہ اتنے بڑے انسان پر کچھ لکھتے وقت ہر ہر لفظ سوچ سمجھ کر لکھنا پڑتا ہے تاکہ کہیں کوئی بے ادبی و گستاخی کا پہلو نہ نکل آئے۔ علاوہ اس کے یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ مولاناؒ کی شخصیت ہمارے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ تحریکِ آزادی ہند، تحریک ختم نبوت ﷺ اور تحریک قیام پاکستان میں حصہ لینے والے سرفروشوں میں مسلک اہل حدیث سے وابستہ افراد نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ ان متحرک اور فعال بزرگوں کی جہد مسلسل کی بدولت برِصغیر پاک و ہند میں بے شمار مدرسین، محدثین، مفسرین، واعظین، مبلغین، مجاہدین اور مصنفین پیدا ہوئے۔ جنہوں نے ایک طرف خالص دین اسلام کی مشعل روشن رکھی تو دوسری طرف اسلامی صحافت کا پرچم تھاما۔ اپنے تن من دھن کی قربانیاں دے کر ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیے جن کو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ الغرض برِصغیر کی تحریک آزادی کی تاریخ میں حاملین مسلک اہل حدیث کا کردار ایک روشن باب کی طرح ہے تاریخ کا طالب علم ان عظیم سپوتوں کے کارناموں سے کبھی صرف نظر نہیں کر سکے گا۔ ہمیں اپنے ان اکابر کے کارناموں پر ہمیشہ فخر رہے گا۔ جو کردار کی دنیا میں جبل عظمت تھے۔ ہمارے ممدوح حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ بھی انہی پاک باز لوگوں میں سے ایک تھے۔ محترم بھٹی صاحبؒ نے ہی ہم کو بتلایا تھا کہ مولانا ابوالکلام کون تھے۔ حضرات لکھویؒ، غزنویؒ اور روپڑیؒ بزرگ کیا تھے حضرت شیخینؒ کیسے تھے قصوری خاندانؒ کے بود و باش کیسے تھے۔ جن کا تذکرہ اگر تاریخ سے نکال دیا جائے تو تاریخ کے پلے ہی کچھ نہیں رہتا۔ ایسی ایسی ہستیاں ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں سرتاپا غرق تھیں۔ آج کے اس پرفتن دور کے اندر جن کی مثل ڈھونڈنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

محترم بھٹی صاحبؒ کا ملک کے دینی وادبی حلقوں میں ایک نمایاں اور امتیازی مقام تھا۔آپؒ کی زندگی پر اگر مفصل لکھا جائے تو طویل وقت اور اوراق کی ضرورت پڑے گی۔ جماعت اہل حدیث میں ان سے محبت تو فطری تھی لیکن دوسرے مکاتبِ فکر کے لوگوں میں بھی آپ کا بڑا احترام پایا جاتا تھا۔

محترم بھٹی صاحبؒ نے جہاں قرآن اور صاحب قرآن ﷺ پر لکھا وہیں آپؒ نے حدیث اور علوم حدیث کے طالب علموں پر بھی اپنا قلم چلایا۔ بہت سارے اکابرین جماعت کا اجمالی تعارف شائع کیا۔اک درنایاب جمع کیا۔زمین نے گویا اپنے چھپے خزانے اگل دیے اور یہ سب کچھ اپنی کتب میں محفوظ کر دیا۔ پوری جماعت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا۔اہل ذوق کے لئے ایک گرانقدر سرمایہ چھوڑا۔اتنا کام کیا جو ایک پوری جماعت یا سوسائٹی کے کرنے کا تھا۔پھر اس پر بھی وہ فخر وغرور کی بجائے ہمیشہ عاجزی وانکساری سے جئے۔محترم بھٹی صاحبؒ نے وہ تحریری خدمات سرانجام دیں جس پر آنے والی نسلیں بھی ان کی احسان مند رہیں گی۔ ان کی تحریروں میں ہمیں غیرت وحمیت، جوان مردی اور جانثاری کا پیغام ملتا ہے۔

محترم بھٹی صاحبؒ کی تصانیف پر ایک نظر ڈالیں تو بعض وجوہ سے آپ کی کتابیں اپنے معاصر حضرات سے امتیازی شان اپنے اندر رکھتی ہیں،معلومات کا خزانہ ہیں۔آپؒ نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا دیانتداری کی بات ہے کہ ان کی تحریریں اس عنوان پر سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ان کو پڑھیں تو معلومات کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آتا ہے۔اس کی گہرائی تک رسائی حاصل کریں تو موتیوں کے ڈھیر پائے جاتے ہیں۔طرز تحریر،اسلوب بیاں،ایسا دل کش،سادہ،عام فہم اور معتدل جو ذہن وقلب میں نقش ہوتا چلا جائے۔

حضرت بھٹی صاحبؒ نے جن شخصیات کے بارے میں لکھا ان میں پرانی وضع کے بزرگ بھی تھے اور نئی طرز فکر کے علمبردار بھی۔اور کچھ ایسے حضرات بھی ہیں جنہوں نے جدید وقدیم کے درمیان مفاہمت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔اس اعتبار سے یہ مضامین صرف تنوع نہیں بلکہ دلچسپ اور بصیرت افروز بھی ہیں۔ان میں نہ صرف عظیم واقعات۔حادثات اور کئی نامور شخصیات کا ذکر ہے۔بلکہ ان کی زندگی کے بعض چھوٹے چھوٹے ایمان افروز واقعات کا تذکرہ بھی ہے۔

آپؒ کی تحریروں میں اکابرین اہل حدیث کی زندگیوں کے وہ گوشے بھی ہمارے سامنے آئے جن سے ہم نا آشنا تھے۔

آپؒ کی تحریروں میں علم وتحقیق کی روشنی بھی تھی اور فکر سلیم کی سنجیدگی بھی۔ آپؒ نہایت موثر اور ٹھوس تحریر کا ملکہ رکھتے تھے مختصر الفاظ میں لیکن جامع گفتگو کرنا آپ کا خاصہ تھا تحریر میں ایسا دل پذیر اسلوب اپناتے تھے کہ قاری کے لئے آپؒ کی پوری تحریر پڑھنا فرض ہو جاتا تھا۔ آپؒ نے جب لکھنا شروع کیا تو اس میں اعتدال کی وہ مثال قائم کی کہ خود اس میں ضرب المثل بن گئے۔ نامناسب و نازیبا الفاظ کا استعمال آپؒ پر گراں گزرتا تھا۔ یہی وہ خوبیاں تھیں جس نے آپؒ کو دوستوں اور غیروں کی نظروں میں باوقار بنا دیا تھا۔

آپؒ چلنے میں علم کا وقار، متانت و سنجیدگی لئے ہوئے جس مجلس میں ہوتے اہل مجلس کی نگاہوں کا مرکز ہوتے۔ جب بولتے تو اہل مجلس میں تاریخ کے موتی لٹاتے۔ آپؒ کی ان ہی خوبیوں نے آپؒ کو ہر دل عزیزی اور محبوبیت کے مقام پر فائز کرایا تھا۔ آپؒ نمونہ اسلاف تھے۔ آپؒ کی ذات سے بہت ہی خیر و برکت کی یادیں وابستہ ہیں۔

آپ میرے دادا جان حضرت مولانا محمد عبداللہ گورداسپوریؒ کے پرانے ساتھیوں میں سے تھے اس لئے کئی بار ہمارے ہاں بورے والا تشریف لائے آپؒ اپنی گفتگو اور تحریروں میں بھی حضرت گورداسپوریؒ اور ان کی حکیمانہ وظریفانہ باتوں کا اکثر ذکر فرمایا کرتے تھے۔ حضرت گورداسپوریؒ کے بیٹے اور میرے چچا جان حافظ محمد لقمان سلفیؒ (میاں چنوں) کی وفات پر آپؒ اپنے داماد کے ساتھ تعزیت کے لئے بورے والا ہمارے ہاں تشریف لائے تو حضرت دادا جانؒ اپنی مسجد کے برآمدہ میں احباب کے ساتھ زمین پر ہی صفوں پر ہی تشریف فرما تھے آپؒ چپکے سے آئے۔ سلام کیا اور حضرت گورداسپوریؒ جو بیٹھے ہوئے تھے کو عقب سے جھپی ڈال کر آنسو بہانے لگے۔ حاضرین مجلس کو جب معلوم ہوا کہ آپ حضرت بھٹی صاحب ہیں تو تعزیت کے اس انداز سے بڑے متاثر ہوئے۔

حضرت گورداسپوریؒ کی وفات پر آپؒ ناسازی طبع کی وجہ سے خود تو تشریف نہ لا سکے لیکن اپنے چھوٹے بھائی جناب سعید بھٹی صاحب حفظ اللہ کو بھیجا۔ خود فون پر طویل تعزیت فرمائی اور حضرت گورداسپوریؒ کے ایسے ایسے اوصاف حمیدہ کا ذکر کیا جو ابھی تک خود ہمارے علم میں بھی نہ تھے۔

آپؒ اپنے معمولات اور اوقات پر اتنے مستقل مزاج تھے کہ امیر ہو یا غریب،

خواص ہوں یا عوام الناس میں سے کوئی، عالم ہو یا جاہل بلا امتیاز نشست اختیار کرتے، وہیں تشریف رکھتے اور ہر ایک سے محبت فرماتے۔ خوش روئی و خوش اخلاقی سے حال دریافت فرماتے۔ یوں محسوس ہوتا کہ ایک باپ اپنی اولاد سے یا ایک دادا اپنے پوتوں سے محوِ گفتگو ہے۔ غرض وسیع القلب و وسیع الصدر تھے۔

محترم بھٹی صاحبؒ جب حضرت مولانا عارف جاوید محمدی صاحب حفظہ اللہ اور بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد یوسف انور صاحب حفظہ اللہ جیسے بزرگوں کے ساتھ محوِ گفتگو ہوتے تو ایک اور ہی انداز ہوتا، جب جماعتی صحافت کی شان محترم جناب رانا شفیق خان پسروری حفظہ اللہ کے ساتھ ہوتے تو محبت و شفقت کا نرالا ہی ڈھنگ ہوتا، جب میرے برادرِ محترم جناب رمضان یوسف سلفی حفظہ اللہ اور حضرت مولانا فاروق الرحمٰن یزدانی حفظہ اللہ کے ساتھ ہوتے تو محفل کا انداز کچھ اور ہی ہوتا تھا۔ غرض کس کس کا نام لوں آپ کے ساتھ جو بھی ایک دفعہ مل لیتا وہ آپؒ کو اپنا ہی سمجھتا تھا۔ ان کا وجود خیر و برکت کا سبب تھا۔ ان سے علم اور علماء کا وقار قائم تھا۔

آپؒ کی وفات کو تقریباً دو ماہ ہو چکے ہیں مگر آپؒ کی یادیں ہیں کہ ختم ہونا تو دور کی بات، کم ہونے کا نام ہی نہیں لیتیں۔ یہ حال صرف میرا ہی نہیں ہے بلکہ ان سے تعلق رکھنے والے سب دوست احباب کا ایسا ہی حال ہے۔ کیونکہ آپؒ اپنے تعلق رکھنے والوں سے اتنی محبت کرتے کہ سامنے والا یہ سمجھتا کہ بھٹی صاحبؒ کو سب سے زیادہ میں ہی محبوب ہوں۔

یوں تو جانے والوں کی یادوں میں کمی ہونا ایک فطری عمل ہے۔ مگر آپؒ جیسی ہستیوں کی یادوں کو بھلانا ناممکن ہوتا ہے۔ آپؒ کی نماز جنازہ میں شامل ہونے کے باوجود آپؒ کی مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقین نہیں آتا۔ آپؒ جیسے لوگوں کا وجود ہر دور میں نشانِ منزل ہوتا ہے۔ وہ کیا گئے تاریخ کا ایک روشن باب بند ہو گیا۔ علم و تاریخ کا ایک جیتا جاگتا انسائیکلوپیڈیا نظروں سے پوشیدہ ہو گیا۔

محترم بھٹی صاحبؒ ریکارڈ رکھنے کے خوگر تھے۔ ایک ایک ورق سنبھال کر رکھتے تھے۔ ان کی ذاتی لائبریری قومی و مسلکی تاریخ کا ایک بڑا ذخیرہ رکھتی ہے۔ میں اکابرین جماعت سے نہایت ادب سے درخواست کروں گا کہ اس بارے میں کوئی عملی قدم اٹھائیں۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا